8

انسانی خصائل ثلاثہ کا برمحل استعمال

(فرمودہ ۲۶ فروری ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر تین خصلتیں پیدا کی ہیں اور یہ تینوں خصلتیں ہر انسان کے اندر تھوڑی بہت ہوتی ہیں۔ کسی میں یہ خصلتیں بہت زیادہ طور پر ظاہر ہوتی ہیں اور کسی میں کم۔ مگر کچھ نہ کچھ حصہ ان کا ہر شخص میں پایا جاتا ہے گو یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی وقت کوئی خصلت ظاہر ہوتی ہے۔ اور کسی وقت کوئی۔ بعض وقت تینوں ظاہر ہوتی ہیں۔ بہرحال تمام انسانوں میں یہ تینوں خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے پہلی خصلت جو رحمانیت کے ماتحت ہے۔ وہ انانیت کی خصلت ہے۔ انسانوں کے اندر یہ مادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود کو علیحدہ اور ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی شخصیت کو قائم رکھیں اور یہ مادہ رحمانیت کے ظہور کے ساتھ ان میں پیدا ہوتا ہے۔

دیکھ لو امراء اور رؤسا کے بچے جن کا ادب و احترام کیا جاتا ہے اور بعض حالتوں میں بغیر وجہ اور بلا سبب کیا جاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ ان میں کوئی خوبی پائی جائے۔ بغیر اس کے کہ ان میں کوئی عمدہ بات ہو۔ بغیر اس کے کہ ان میں کوئی اچھی بات ہو ان کا ادب و احترام کیا جاتا ہے وہ جب بڑے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی بلا وجہ یہ کہتے ہیں۔ ہم ایسے ہیں ویسے ہیں لوگوں کو چاہئے کہ ہمارا ادب و احترام کریں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات کے عادی ہو گئے ہوتے ہیں کہ لوگ ان کا ادب و احترام کریں۔ چونکہ بچپن میں بلا وجہ ان کا ادب و احترام کیا جاتا ہے۔ اس لئے بڑے ہو کر بھی بلا وجہ ہی چاہتے ہیں کہ لوگ ان کا ادب و احترام کریں۔

اس میں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کیوں لوگ ہمارا ادب و احترام کریں۔ آیا ہمارا کوئی احسان ان پر

ہے یا تمدنی طور پر کوئی غلبہ ان پر دیا گیا ہے۔ یا ان کو ہم سے کوئی آئندہ فائدہ کی امید ہو سکتی ہے۔ یا کوئی ذاتی کمال ہم میں ہے۔ آخر کیا سبب ہے کہ لوگ قدر کریں۔ دنیا میں ہزاروں انسان ایک دوسرے کے سامنے سے گذر جاتے ہیں اور ان میں سے سارے ہی سب کا ادب و احترام نہیں کرتے لیکن وہ کوئی گلہ بھی نہیں کرتے کہ کیوں ہمارا ادب و احترام نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ادب و احترام کے لئے کچھ تعلق ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ لوگ جن کو ادب و احترام کرانے کی عادت ہو۔ خواہ مخواہ لوگوں سے لڑتے ہیں کہ ہمارا ادب کیوں نہیں کرتے۔

ایک دفعہ ایک سیدانی فقیرنی ہمارے گھر میں آئی۔ میں اس وقت چھوٹا تھا۔ وہ آکر چارپائی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ میں آل رسول ہوں۔ مجھے کچھ دو۔ حضرت صاحب نے بھی کچھ دیا اور گھر کے لوگوں نے بھی دیا۔ پھر اس نے پانی مانگا مگر جب ایک عورت نے اسے پانی دیا تو سخت ناراض ہو کر کہنے لگی۔ امتیوں کے گلاس میں مجھے پانی دیتی ہے۔ ہم سادات آل رسولؐ ہیں۔ اول تو پانی پلانے کے لئے نیا گلاس چاہیئے تھا اور اگر پرانے ہی میں پانی دینا تھا تو پہلے اسے اچھی طرح مانجھنا تھا۔ اب وہ فقیرنی ہو کر آئی تھی۔ مگر باوجود اس کے اس میں وہ عادت موجود تھی جو ناواجب ادب و احترام کراتے رہنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں جو آنحضرت ﷺ کی اولاد سے ہو اسے اگر واقعی مدد کی ضرورت ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس کی مدد اور خدمت کریں مگر بعض لوگ یوں ہی سادات کے اس ادب و احترام کو دیکھ کر جو لوگ ان کا کرتے ہیں۔ سید بن جاتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ان کا بھی ادب و احترام کیا جائے۔ سادات کو جو فخر حاصل ہے۔ وہ طفیلی طور پر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے سبب سے ہے۔ مگر باوجود اس کے ایک مدت تک ادب و احترام کئے جانے کا اثر ان میں اس حد تک ہوتا ہے کہ حالات بدلنے اور خود کوئی خوبی نہ رکھنے کے بعد بھی ان میں یہ خواہش رہتی ہے۔ کہ لوگ ان کا ادب کریں۔ چنانچہ وہ فقیرنی جو سیدانی تھی۔ اس طفیلی فخر کی بناء پر اور اس لطف و کرم کی وجہ سے جو سادات پر خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں بھی کیا کہ لوگوں کو ان کے ادب و احترام کی طرف مائل کر دیا سمجھتی تھی کہ میں حق رکھتی ہوں کہ میرا ادب و احترام کیا جائے اور اسی عادت کی بنا پر اس نے یہ کہا کہ آل رسول کو ہمیشہ نئے گلاس میں پانی پلانا چاہیئے۔ یا اگر امتیوں کے گلاس میں پلانا ہو تو اسے اچھی طرح مانجھ لینا چاہیئے۔ تو انسان کے اندر سب سے پہلے جو خصلت پیدا ہوتی ہے۔ وہ انانیت کی ہے۔ وہ ان حالات کو دیکھتا ہے جو اس کے ادب و احترام کے لئے پیدا ہوتے ہیں تو سمجھتا ہے کہ ربّ

السموات والارض جو میری قدر کرتا ہے۔ تو لوگ کیوں نہ میری قدر کریں۔

دیکھو بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے انانیت کا یعنی اپنے وجود کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں بھی کوئی وجود ہوں اور مجھے بھی اپنے وجود کے قائم رکھنے کے لئے کچھ چاہئے۔ یہ بات وہ الفاظ میں نہیں کہہ سکتا بلکہ طبعی طور پر یہ حس اس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں آکر آنکھ ہی کھولتا ہے اور پیدا ہو کر پہلا ہی سانس لیتا ہے کہ اس میں یہ انانیت پیدا ہو جاتی ہے پھر اسے سب اٹھائے پھرتے ہیں۔ اسے پیار کرتے ہیں۔ چومتے ہیں۔ اس کے آرام کو مد نظر رکھتے ہیں۔ غرض ہر طرح اس کی قدر کرتے ہیں اور جونہی اس میں احساس بڑھتا ہے۔ وہ ان حالات کو محسوس کر کے سمجھتا ہے کہ میں مرجع عالم ہوں۔ وہ لوگوں کو پیار کرتے دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ ہر ایک مجھے پیار کرے۔ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اسے اٹھائے پھرتے ہیں تو اسے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ لوگ اٹھائے پھریں اور یہ سب کچھ اس انانیت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ جو پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس میں پیدا ہوتی ہے۔

غرض انسان کی پیدائش سے پہلے بھی رحمانیت ہوتی ہے اور جب وہ مرجاتا ہے۔ تو اس کے بعد بھی۔ پس جو خصلت خدا کی سب سے پہلے انسان کے لئے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ رحمانیت ہی ہے۔ ایک انسان کے پیدا ہونے سے پیشتر اس نے کئی قسم کی چیزیں اپنی صفت رحمانیت سے پیدا کیں مثلاً" رحم مادر دیا۔ غذائیں دیں۔ پھر ماں کے پیٹ میں ہی اسے ناک۔ کان۔ آنکھ۔ ہاتھ پاؤں تمام اعضاء دیئے اور اور بھی ذریعے بہم پہنچائے۔ جن سے وہ وہاں زندہ رہ سکے۔ پھر پیدا ہونے سے پہلے دودھ پیدا کیا۔ غرض ایسی تمام چیزیں دے کر رحمانیت کی صفت کو بلا واسطہ ظاہر کیا۔ اور اب جب وہ پیدا ہو گیا تو اسی اپنی رحمانیت کی صفت کو بالواسطہ ظاہر کرنا شروع کیا۔ اور انسانوں کو اس کا ذریعہ بنا دیا۔ ان حالات کے ماتحت سب سے پہلے انانیت ہی انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ اور انانیت ہی کا سب سے پہلا درجہ بھی ہے۔

جب ایک بچہ اس سے اور آگے قدم اٹھاتا ہے۔ تو دوسری صفت رحیمیت کی اسے ملتی ہے۔ اس کے ماتحت اسے کام کرنا پڑتا ہے۔ اس صفت کے ماتحت اب بچہ کو برے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ گویا اسے ایک طرح نیک و بد کی تمیز ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں پر بھی صفت رحیمیت کا غلبہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جن پر اس بچے کے لئے رحمانیت کا تسلط تھا۔ جونہی وہ ہاتھ پاؤں ہلانے لگتا ہے۔ تو طریق سلوک بھی بدل

جاتا ہے۔ پہلے اگر اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ تو اب چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پاؤں آپ چلے۔ پہلے اگر کسی ہلکی سی مشقت کا بھی اس کی ذات سے مطالبہ نہ کیا جاتا تھا۔ تو اب کسی حد تک اس کا تقاضا ہونے لگتا ہے۔ غرض اب وہی سلوک اس سے نہیں ہوتا۔ جو اس سے پہلے ہوتا تھا۔ کیونکہ رحیمیت کے ماتحت اب لوگ چاہتے ہیں۔ بلکہ ماں باپ بھی چاہتے ہیں کہ پہلی حالت میں اور اس حالت میں فرق ہونا چاہئے۔ اور اس زندگی میں اور اس زندگی میں امتیاز پیدا کرنا چاہئے۔ اس وقت اگر یہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ تو اب اسے کہنا چاہئے۔ اسے اپنی حاجات بتانی چاہئیں۔ وہ منتظر ہوتے ہیں کہ بچہ خود کہے بھوک لگی ہے۔ تو رحمانیت کے بعد دوسرا درجہ رحیمیت کا ہوتا ہے۔ اور رحیمیت کے ماتحت بدلے ملتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور خصلت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ مالک یوم الدین کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ماتحت بتایا ہے کہ اس مقام پر بحیثیت مجموعی جزا ملتی ہے۔ اس وقت فرد فردیت سے نکل کر جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور مجموعی حیثیت سے اس کے ساتھ سلوک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ دیکھتا ہے۔ کہ قوم کیا کرتی ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ قوم کی بہتری کے ساتھ اس کی بہتری وابستہ ہے کیونکہ اسے محسوس ہوتا ہے کہ میں قوم سے الگ رہ کر اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ اس وقت وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا قوم اگر تباہ ہوتی ہے تو ہو میں اپنے آپ کو بچالوں۔ کیونکہ وہ قوم سے علیحدہ رہ کر اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

یہ بات بلوغت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بلوغت کے بعد ایک شخص اکیلا نہیں ہوتا۔ بلکہ قوم کا فرد ہوتا ہے۔ اور اس حد پر پہنچ کر اسے جن حالات میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ان کا بیشتر حصہ وہ ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جب تک دوسرے نہ ہوں۔ تب تک وہ کام ہو نہیں سکتا۔ اور جب وہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس کی اپنی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بلوغت کے بعد ہی شرائع بھی فرض ہوتی ہیں۔

تمام اخلاق اور بہت سے دوسرے اعمال ایسے ہی ہیں کہ ان کے لئے کوئی دوسرا وجود ہونا چاہئے۔ چنانچہ کوئی اچھا اخلاق انسان دکھا نہیں سکتا جب تک اس کے دوسروں کے ساتھ تعلقات نہ ہوں۔ اور دوسروں کے ساتھ تعلقات ہو نہیں سکتے جب تک دوسرے نہ ہوں۔ پس اخلاق دکھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرے ہوں اور دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات ہوں۔ کیونکہ جب تک یہ نہ ہوں۔ تب تک کوئی شخص کسی قسم کا اخلاق نہیں دکھا سکتا۔ اسی طرح اگر وہ الگ رہے تو

نماز۔ روزہ اور زکواۃ کس طرح ادا کرے گا۔ نماز کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ باجماعت ادا ہو۔ پھر اگر غرباء اور مساکین نہ ہوں۔ تو زکوٰۃ کن کو دے گا۔ پس تقریباً" تمام احکام شریعت تمدن کو چاہتے ہیں۔ اور ان کو وہ محسوس کرتا ہے۔

جب تمدن کا احساس انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ تو اس موقعہ پر وہ اپنے حقوق چھوڑتا ہے۔ اور قربانی کرتا اور ایثار سے کام لیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کون سی بات بہتر اور کون سی بات مضر ہے۔ پھر جو اسے بہتر نظر آتی ہے۔ اس کے متعلق دیکھتا ہے۔ کیا اس سے قوم میں تفرقہ تو نہیں پڑتا۔ اور اگر اسے تفرقہ پڑتا ہوا نظر آئے۔ تو باوجود اس کے کہ وہ بات اس کی اپنی ذات کے لئے مفید ہو۔ وہ اسے قوم کی خاطر چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہی پسند کرتا ہے کہ اپنا نفع تو چھوڑ دوں۔ لیکن قوم کا نقصان نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس میں قوم کا فائدہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قومی مفاد کی حفاظت کے واسطے اور اس کے ساتھ اتفاق کے لئے اسے چھوڑ دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمدن قائم رہے گا۔یہ مالک یوم الدین کے ماتحت ہوتا ہے۔ پھر یہی حالت انفرادی نقصان کے ساتھ ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ انفرادی طور پر تو بیشک مجھے اس سے نقصان ہے۔ لیکن میرے اس نقصان سے جماعت کو فائدہ ہوتا ہے تو وہ اپنے نقصان پر جماعت کے فائدے کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ میرا نقصان ہوتا ہے۔ مجھے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اور اگر کوئی اسے کہتا بھی ہے تو وہ کہتا ہے میں مجبور ہوں۔ میری قوم کہتی ہے کہ ایسا کرو یا ایسا نہ کرو۔ اور میری قومی حیثیت تقاضا کرتی ہے کہ میں اس کے فائدہ کو ہر وقت مد نظر رکھوں۔

یہ تین صفات ہیں۔ جو انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے جو انانیت کی صفت ہے۔ بیشک یہ صفت یہ تقاضا تو کرتی ہے کہ انسان اپنے وجود کو علیحدہ اور نمایاں طور پر دکھلائے۔ لیکن قوم سے کٹ کر نہیں۔ بلکہ قوم کے ساتھ منضبط رہ کر۔ بیشک یہ صفت ایک رنگ میں ایک حد تک غیر محدود بھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اپنی ذات میں محدود بھی ہے۔ اور ایک انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے وجود کو علیحدہ اور الگ دکھلائے لیکن قوم کے ساتھ رہ کر۔ قرآن شریف میں مومن کے متعلق آیا ہے کہ وہ سابق بالخیرات ہوتا ہے۔ گویا مومن کے لئے یہ بھی ایک شرط ہے۔ کہ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ پس جو مومن ہوتے ہیں وہ سباق کرتے ہیں۔ مگر سباق کرنے کے یہ معنے نہیں کہ دوسرے کو لتاڑ کر اور پچھاڑ کر آگے بڑھے۔ بلکہ یہ ہیں کہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ بڑھائے اور جو جس حال میں ہے آگے بڑھتا جائے۔ اس کے معنے یہ ہوں گے کہ سارے آگے بڑھ رہے ہیں۔

کیونکہ ایک مومن کی شان یہی ہے کہ وہ ساری قوم کو بھی آگے بڑھائے۔ اور خود بھی آگے بڑھے۔ ہماری جماعت کے افراد کو بھی چاہئے کہ اس قسم کا سباق کریں۔ کیونکہ اگر کسی جماعت کے بعض افراد خود سباق تو کریں۔ مگر دوسروں کو گرا کر تو وہ درحقیقت سباق نہیں کرتے بلکہ قوم کو تباہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ان کو اپنا ذاتی فائدہ متصور ہوتا ہے جو قومی فوائد کے منافی ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی امر کسی قوم کے فوائد کے منافی ہوتا ہے تو اس سے نہ صرف وہ قوم ہی متاثر ہوتی ہے۔ بلکہ خود وہ شخص بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ جس نے ناواجب سباق کے ذریعے ایک ایسا امر کیا ہو جو جماعتی اور قومی فوائد کے مخالف ہو کیونکہ قوم افراد کا ہی مجموعہ ہوتی ہے۔ اور وہ شخص بھی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے۔

ایک دفعہ بعض وہ صحابی جو غریب تھے اور صدقہ و خیرات کی مقدرت نہ رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ہمارے بھائی جو امیر ہیں اور دولت رکھتے ہیں۔ صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہم سے نیکی میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی ایسا طریقہ بتایا جائے کہ نیکی کرنے اور ثواب پانے میں ہم ان سے بڑھ جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار تسبیح و تحمید اور چونتیس بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔ انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔ لیکن جب امراء کو اس کا پتہ لگا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بات بتائی ہے تو انہوں نے بھی یہی تسبیحیں اور تکبیر پڑھنی شروع کر دی۔ اس پر غریب صحابہ نے پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور! امراء بھی یہ تسبیحیں پڑھنے لگ گئے ہیں۔ اور اس طرح وہ پھر ہم سے بڑھ گئے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا۔ جسے خدا نیکی دے میں اسے کیسے روکوں۱۔ اس میں سباق بالخیر کا ایک عمدہ سبق ہے۔ غریب صحابہ نے یہ نہیں چاہا کہ ان کا مال و دولت جس کی وجہ سے یہ ہم سے نیکی میں بڑھ جاتے ہیں جاتا رہے بلکہ یہ چاہا کہ ان کا مال و دولت بھی رہے اور ہمیں بھی کوئی ایسا طریق معلوم ہو جائے کہ ہم ان سے بڑھ سکیں۔ اسی طرح امراء صحابہ نے بھی یہ نہیں کیا کہ ان غرباء کو اس طریق سے محروم کر دینے کا خیال کیا ہو۔ بلکہ یہ کیا کہ سباق بالخیر کے ماتحت اس کام کو اختیار کر کے اور بھی ان سے آگے بڑھ گئے۔

تو یہ جو انانیت ہے۔ یہ شرطی طور پر اعلیٰ چیز ہے۔ یہ نہ ہو تو افراد قائم نہیں رہ سکتے اور اگر افراد قائم اور مضبوط نہ ہوں تو قوم قائم اور مضبوط نہ ہوگی۔ پس صحیح انانیت یہ ہے کہ دوسروں کو انسان دبائے بھی نہیں۔ ان کے حقوق بھی ضائع نہ کرے اور آگے بھی بڑھے اور آگے بڑھنے میں یہ بات مدنظر ہو کہ دوسرے بھی ساتھ ساتھ بڑھیں۔ لیکن اگر یہ نہ کہا جائے یعنی دوسروں کے حقوق کا

خیال نہ رکھا جائے۔ اور ان کو دبا کر آگے بڑھا جائے۔ تو یہ انانیت نہیں۔ یہ جباریت ہے اور یہ منع ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ پس آگے بڑھتے ہوئے یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ انانیت بدل کر کہیں جباریت تو نہیں بن گئی۔

دوسری صفت رحیمیت ہے۔ اس کے ماتحت انسان میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ میں اچھے کام کروں اور برے کاموں سے بچوں۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے امتیاز بین الحق و الباطل پیدا ہو اور امتیاز بین الحق والباطل کی پیدائش کے لئے کسی شرط کی ضرورت نہیں۔ یہ امتیاز بغیر کسی شرط کے ہوتا ہے اس کے ماتحت انسان میں یہ مادہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر اس چیز کو اختیار کرے جو حق ہے۔ خدا کا قرب حاصل کرنے والی ہے۔ ترقی دیتی ہے اور ہر اس چیز کو چھوڑ دے جو باطل ہے۔ خدا تعالیٰ سے دور کر دینے والی ہے اور بجائے ترقی کے تنزل کی طرف لے جانے والی اور مضر ہے۔

رحیمیت کی شرط تو کوئی نہیں مگر اس کی کچھ حد بندی ضرور ہے اور وہ اگلے حصے کے ماتحت ہے۔ جو مالک یوم الدین کا ہے۔ اس میں جب ایک شخص پہنچتا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ قربانی کرے۔ یعنی جب مل کر کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے تو پھر اپنے نفع و نقصان کو چھوڑ کر کرے۔ اسے اکیلے طور پر وہی کام کرنے میں خواہ کس قدر سہولت اور آرام ہو اور مل کر کرنے میں خواہ کس قدر ہی نقصان اور تکلیف ہو مگر جب وہ مالک یوم الدین کے ماتحت آ جائے۔ اور اسے مل کر کرنے کے لئے کہا جائے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مل کر کرے۔

مثال کے طور پر نماز ہی کے معاملے کو لے لو۔ نماز مل کر پڑھنے کا حکم ہے یعنی یہ کہ اکٹھے ہو کر باجماعت پڑھو۔ اب اگر امام کو آنے میں دیر ہو جائے اور کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ لے تو یہ اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔ شریعت نے ہر نماز کے لئے وقت کا جو اندازہ مقرر کیا ہے کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک نماز ہو سکتی ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر تھوڑی دیر آگا پیچھا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر یہ مد نظر نہ ہوتا تو شریعت میں خاص وقت مقرر کر دیا جاتا کہ عین فلاں وقت پر فلاں نماز ادا کرو۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

جس طرح رحمانیت کے آخر میں رحیمیت کی ابتدا نے شروع ہو کر ایک ہلکا سا فرق رحمانیت کی تعریفوں میں پیدا کر دیا۔ اسی طرح رحیمیت کے آخر میں مالک یوم الدین نے شامل ہو کر رحیمیت کی تعریفوں میں تبدیلی پیدا کر دی۔ چونکہ اس کے ساتھ ساتھ تمدن کا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے تمدن کے لحاظ سے تعریفوں میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نہ صرف انسان ہی کے

لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تمدن کو مدنظر رکھے بلکہ احکام شریعت بھی یہاں سے اسی قسم کے شروع ہو جاتے ہیں۔ جو تمدن کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔

نماز کی فلاسفی کا ایک پہلو قیام تمدن بھی ہے۔ لوگ اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ تو یہ ان کو شریعت کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ باجماعت نماز پڑھو مگر مل کر کوئی کام کرنا تمدن کی ایک فرع بھی ہے اور جب نماز مل کر باجماعت پڑھی گئی تو تمدن کی اس فرع پر عمل کیا گیا۔ پھر رکوع و سجود وغیرہ ہے۔ یہ بھی سراسر امام کی متابعت ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مقتدی کی منشاء ہو یا نہ ہو کہ وہ اس وقت رکوع یا سجود میں جائے جس وقت کہ امام جاتا ہے۔ اسے اس کی اقتداء کرنی پڑتی ہے اور بغیر پوری اقتداء کرنے کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ ظاہر ہے کہ کسی امام کی متابعت کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ کسی سردار قوم کی اطاعت کرنا اور سردار قوم کی اطاعت کرنا یہ بھی تمدن ہی ہے۔ کیونکہ جب تک قوم کسی سردار کی اطاعت نہ کرے۔ تمدن قائم نہیں کر سکتی۔ غرض مل کر کام کرنا اور کسی امام کی متابعت کرنا تمدن ہے.................... چونکہ تمدن کا قائم رکھنا ہر قوم کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے جو شرعی حکم اس وقت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ وہ تمدن کو بھی مدنظر رکھ کر رکھے گئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہوں۔ تو پوری اقتداء نہیں کرتے یہاں تک کہ امام اگر سجدہ سے سر اٹھاتا ہے تو وہ سجدے میں پڑے ہوتے ہیں اور جب امام دوسرے سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہتا ہے۔ تو وہ پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں ایسے سجدے سجدے نہیں ہوتے کیونکہ امام کی اقتداء میں نہیں ہوتے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے امام تو ایک منٹ سجدہ کر کے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہم دو منٹ سجدہ کریں گے تو زیادہ ثواب ملے گا۔ مگر یہ بات غلط ہے ایسے موقعہ پر امام کی اقتداء میں ہی ثواب اور نیکی ہے اور سجدہ وہی ہے جو امام کے ماتحت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو لوگ امام کے پیچھے رہتے ہیں۔ یا امام سے آگے چلے جاتے ہیں۔ ان کا سر گدھے کے سر کی طرح بنا دیا جائے گا۔ پس اس سے بچنا چاہئے۔ نادان اسے نیکی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نیکی نہیں ہے۔ نیکی اسی میں ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے وقت امام کی پوری پوری اقتداء کی جائے۔

تیسری صفت مالک یوم الدین کی ہے۔ اور یہ صفت تمدنی طور پر قوم کے ساتھ اپنے آپ کو ملا دینا ہے۔ بعض لوگ قوم کے ساتھ اپنے آپ کو ملاتے تو ہیں۔ لیکن ان سے غلطی یہ ہو جاتی ہے کہ

اتنے نقال ہوتے ہیں کہ اپنی انانیت کو ہی مٹا دیتے ہیں اور یہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص قوم میں داخل ہوتے وقت اپنے وجود کو مٹا ڈالے۔ تو وہ صرف نقال رہ جاتا ہے۔ اور صرف نقال رہ جانا کوئی خوبی نہیں ہے۔ اس کی مثال آج کل کے مسلمان ہیں کہ درحقیقت اسلام کی کوئی بات ان میں نہیں لیکن ان کے باپ دادے چونکہ مسلمان تھے۔ اور ان میں اسلام کی خوبیاں تھیں۔ اس لئے یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ اگر کچھ ہیں تو صرف باپ دادوں کے اظلال اور ایسی تصویریں ہیں جو اپنی ذات میں کوئی شے نہیں کیونکہ یہ اس لئے ظہور میں آیا کہ انانیت کے ساتھ انہوں نے دوسری خوبیوں کو بھی مٹا دیا۔ پس سب سے پہلی بات جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انانیت کو قائم رکھے اور ایسے طریق پر قائم رہے کہ جباریت کا رنگ نہ اختیار کرے۔ پس مومن کو چاہئے کہ وہ ان تینوں صفات کو قائم رکھے۔ یعنی اس میں انانیت بھی ہو۔ اچھے برے میں تمیز بھی ہو اور اندھا دھند نقل بھی نہ کی جائے۔ بلکہ اپنے آپ کو ایسے رنگ میں قوم کے ساتھ ملائے کہ قوم کے ساتھ ملا بھی رہے اور اس کا اپنا وجود بھی الگ نظر آئے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بالکل ست بچنے بن جاتے ہیں۔ خواہ کچھ ہی بات ہو۔ وہ "سچ ہے"، "سچ ہے" کہتے اور اپنی رائے اور اپنے ارادے کو دبا کر ضائع کر دیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک راجہ نے ایک دفعہ بینگن کھائے تو اسے بہت ہی مزہ آیا۔ وہ جب دربار میں آیا تو کہنے لگا۔ بینگن کیا ہی اچھی چیز ہے۔ اس کا ایک مصاحب تھا اس نے بھی بینگن کی تعریف کرنی شروع کر دی کہ اور تو اور اس کی شکل ہی دیکھئے کیسی عمدہ ہے۔ سر تو ایسا ہے جیسے کسی پیر نے سبز پگڑی باندھ رکھی ہو۔ نیلگوں لباس تو آسمان کی رنگت کو مات کر رہا ہے۔ پودے کے ساتھ لٹکا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شہزادہ جھولا جھول رہا ہے۔ اور طبی طور پر جتنی اس کی خوبیاں تھیں ساری کی ساری گن ڈالیں۔ یہ باتیں سن کر راجہ کو اور شوق پیدا ہوا۔ اور اس نے کچھ دن بینگن کھائے۔ بینگن چونکہ گرم ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے "حدت" پیدا کی۔ تو راجہ نے ایک دن کہا بینگن بہت بری شے ہے۔ اس پر اسی مصاحب نے اس کی برائیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ کہنے لگا شکل تو دیکھئے۔ کالا منہ نیلے پاؤں ہیں اس سے بھی زیادہ اور کیا اس کی برائی ہو سکتی ہے کہ الٹا لٹکا ہوا ہے۔ جیسے کسی نے پھانسی پر لٹکایا ہو۔ چونکہ ہر شے کی کچھ خوبیاں اور کچھ برائیاں ہوتی ہیں۔ اس موقعہ پر اس مصاحب نے اس کی تمام وہ برائیاں جو طبی طور پر تھیں۔ بیان کیں۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی نے کہا یہ کیا؟ اس نے جواب دیا۔ میں راجہ کا نوکر ہوں نہ

بینگن کا۔

ایسے لوگ جو ست پنجنے ہوتے ہیں۔ جس مجلس میں جاتے ہیں۔ ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ جماعت کے لوگوں سے ملتے ہیں تو وہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں جو جماعت کے افراد کر رہے ہوتے ہیں۔ وعظ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ تبلیغ کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ مضامین نویسی شروع کر دیتے ہیں لیکن جب دوسروں میں جاتے ہیں تو انہیں کے سے ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں بھائی کیا کبھی ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ دل سے مل جائیں۔ ایسے لوگوں کی روش وہی ہوتی ہے جسے انگریزی میں (Herd Instinct) یعنی بھیڑ چال کہتے ہیں۔ بھیڑوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ اپنی عقل اور ارادہ سے کام نہیں لیتیں۔ بلکہ جو ایک بھیڑ نے کیا۔ وہی باقی سب کرتی ہیں۔

کہتے ہیں ایک دفعہ بھیڑوں کے راستے میں رسی باندھ دی گئی۔ جب بھیڑیں وہاں پہنچیں۔ تو سب سے اگلی دو تین بھیڑیں اس پر سے کود کر گذریں ان کے بعد رسی کھینچ لی گئی لیکن پھر بھی جو بھیڑ اس جگہ پہنچتی کود کر گذرتی۔ اس سے بھیڑ چال کی مثال مشہور ہو گئی۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے۔ جو اپنی عقل اور ارادہ سے کام نہیں لیتے۔ ان کے کام بھیڑ چال سے بڑھ کر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ جس مجلس میں جاتے ہیں اسی کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ اور جس رنگ کے لوگوں سے ملتے ہیں ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ ان کی نہ کوئی اپنی طاقت ہوتی ہے نہ عقل نہ ان میں ارادہ ہوتا ہے نہ استقلال۔ ہر ایک مومن کو چاہئے۔ اس عادت سے بچے اور ان خصائل ثلاثہ کو اپنے اندر پیدا کرے۔ کیونکہ جب یہ تینوں خصلتیں اکٹھی ہوں۔ تو انسان میں کمال پیدا ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی نہ ہو کہ انانیت اس حد تک بڑھ جائے کہ ایک طرف جباریت کا رنگ اختیار کر لے اور دوسری طرف سرکشی کا اور کسی کا کہنا ہی نہ مانے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ احمدیوں کی کوئی خاص علامت ہونی چاہئے۔ جس سے لوگ انہیں پہچان لیں مثلاً'' سبز پگڑی ہو۔ اگر اس بات کو جاری کیا جائے۔ اور پھر کوئی کہے کہ میں سبز پگڑی نہ باندھوں تو کیا حرج ہے۔ تو یہ انانیت ٹھیک نہیں ہوگی۔ ایسا ہی داڑھی منڈانا ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ہم یہ کہیں کہ میاں داڑھی نہ منڈایا کرو۔ داڑھی منڈانا اچھا نہیں۔ اور وہ کہے مجھے اس کے متعلق شریعت کا حکم دکھاؤ۔ تو اسے کہا جائے۔ فرض کر لو شریعت میں اس کے متعلق کوئی حکم نہیں لیکن جب تمہاری قوم کا یہ ایک امتیازی نشان ہے۔ تو تمہیں داڑھی رکھنی چاہئے۔ اس پر بھی اگر وہ نہ مانے۔ تو اس میں صحیح اور سچی انانیت نہیں بلکہ سرکشی ہوگی یا انانیت کا غلط استعمال۔

بغیر کیریکٹر کے کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی۔ جتنی قومیں دنیا میں ہیں۔ ان کے کیریکٹر ہوتے ہیں۔ ان کے کچھ امتیازی نشان ہوتے ہیں۔ جن سے ان کا پتہ ملتا ہے اور وہ شناخت کی جاتی ہے اور افراد قوم کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان کیریکٹروں، رنگوں اور نشانوں کی پابندی کریں۔ کیونکہ افراد اگر چاہتے ہیں کہ قوم قائم رہے۔ اور قومی روح اگر ان کے اندر ہے۔ تو ان کو چاہیئے کہ وہ قوم کے ساتھ ہر رنگ میں مشابہت پیدا کریں۔

جب کہ ان امور میں جن کا قوم کے ساتھ اتنا تعلق نہیں ہوتا۔ اور اپنی ذات میں بھی وہ بالکل چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔ جس سے تمدن قائم ہوتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ان امور میں قوم کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرے۔ جن کا قوم کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دیکھو اگر ایک خاوند اپنی بیوی سے کہے۔ میری چارپائی فلاں جگہ بچھانا۔ اور بیوی دوسری جگہ بچھادے تو خاوند یہ دیکھ کر لڑائی پر آمادہ نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ بیوی کے کام سے اتفاق کرلے گا۔ ورنہ اگر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر میں لڑائی جھگڑا ہونے لگے تو گزارہ کس طرح ہو سکے۔

بے شک بہت سی چیزیں اپنی ذات میں مفید ہوتی ہیں۔ مگر وہ بعض مقام پر غیر مفید ہو جاتی ہیں۔ مثلاً" لیٹنا ہے۔ یہ اچھا تو ہے اور خدا تعالیٰ نے لیٹنے میں آرام رکھا ہے۔ جب انسان تھک کر لیٹ جائے تو اسے آرام پہنچتا ہے۔ اور تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مجلس میں آکر پاؤں پسار کر لیٹ جائے۔ تو ہم کہیں گے یہ برا کام ہے کیونکہ یہ لیٹنے کا مقام نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لیٹنا اچھا ہے اور اپنی ذات میں بہت مفید ہے۔ لیکن اس موقعہ پر اچھا نہیں۔

اسی طرح جہاں نماز کے لئے جماعت ہوتی ہو۔ وہاں اگر کوئی شخص اپنی علیحدہ نماز پڑھے۔ تو وہ نماز اس موقعہ پر اچھی نہ ہوگی۔ پس ہر کام کرتے وقت یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ کام اپنی ذات میں کیسا ہے اور پھر اس کے موقعہ اور مقام پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر اپنی ذات میں اچھا ہے تو کیا موقعہ اور مقام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔

تمدنی طور پر چھوٹی چھوٹی باتوں کا کرنا جن کا کہ اخلاق اور روحانیت کے ساتھ تعلق ہے۔ جب مفید ہوتا ہے تو کیوں نہ اس قسم کی بڑی بڑی باتوں میں قوم کے لئے قربانی کی جائے۔ ہاں تمدن پر انانیت کو غالب نہ آنے دینا چاہیئے۔ اور کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہیئے جو قومی رنگ میں نقصان دہ ہو۔ پس ہر شخص کو چاہیئے کہ ہر اس بات کو چھوڑ دے جو قوم کے لئے مفید نہ ہو۔ خواہ وہ اپنی ذات اور

مقام کے لحاظ سے اس کے اپنے لئے بیحد ہی مفید ہو۔

غرض یہ تینوں صفات جب اکٹھی ہوں تب انسان کامل ہوتا ہے۔ اسی کا نام صراط المستقیم ہے۔ وہ ان سب کے بین بین چلتا ہے۔ اس راہ پر چلتے ہوئے جب ان شرائط کی پابندی بھی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اور انسان مدارج ترقی پر چڑھنا شروع کر دیتا ہے لیکن اگر کوئی ان شرائط کی پابندی نہیں کرتا تو پھر وہ ایسی انانیت کرتا ہے جو درست نہیں۔ اور جس سے وہ قوم کے ساتھ مل نہیں سکتا۔ اور الگ رہ کر تباہی پیدا کرتا ہے۔ درست راستہ یہی ہے کہ وسطی طریق اختیار کیا جائے۔

بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں ان باتوں کے سمجھنے اور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم اس کے بتائے ہوئے طریق پر چل کر اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں۔

(الفضل ۱۲ مارچ ۱۹۲۶ء)

ا۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ